مولانا شمس تبریز خان

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

کا

نظریۂ تعلیم

اسلام میں دین اور دنیا کی کوئی تفریق نہیں۔ نہ اس میں ترک دنیا اور رہبانیت کی گنجائش ہے۔ حدیث کے بموجب دنیا آخرت کی کھیتی اور میدانِ عمل ہے۔ نیک نیتی و احتساب کے ذریعے دنیا کا ہر عمل آخرت کا عمل بن جاتا ہے۔ اسلام کی جامع ہمہ گیر تعلیمات بھی انسان کی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی۔ اقتصادیات و سیاسیات، اخلاق و روحانیت اور تمدن و ثقافت کا احاطہ کرتی ہیں۔ اور ایک معقول و مدلل نظریۂ حیات کے ساتھ ایک مکمل و مستقل تہذیب اور نظام حیات بھی پیش کرتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مختصر مگر منتخب جماعت نے اپنے وقت کی دو بڑی عالمی طاقتوں (روم اور ایران) کو فکری و عملی دونوں محاذوں پہ شکست فاش دی۔ اور ان کے آمرانہ اور جابرانہ نظام سے انسانوں کو آزاد کر دیا اس کے ساتھ ہی دنیا کے ایک بڑے حصے میں اسلام کے آزادانہ نظام کے تحت ایک خدا ترس و باضمیر روشن دماغ اور عالی ظرف انسان دوست اور انسانیت نواز جمہوری و فلاحی تہذیب و معاشرت قائم کی۔

اسلام فکر و فلسفہ سے زیادہ ایک صالح تہذیب و ثقافت اور صحت مند نظام حکومت اور طرزِ حیات ہے اس لئے عہد نبویؐ ہی سے مسلمانوں کا نصاب تعلیم ان کا نظامِ زندگی بھی رہا ہے۔ اس وجہ سے مسجد نبویؐ تمام علمی و عملی سرگرمیوں کا ایسا مرکز ہے جہاں سیاست و روحانیت مدرسہ و خانقاہ، اخلاقی تربیت اور فوجی تیاری ایک ساتھ نظر آتی ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراحل زندگی میں صفّہ کی درسگاہ بھی ہے اور شعب ابی طالب کی اسارت گاہ بھی غارِ حرا کی خلوت بھی اور کوہِ صفا کی جلوت۔ مکّے سے ہجرت و دعوت بھی ہے اور جزیرۃ العرب کی خلافت و حکومت بھی مسجد نبویؐ کی خانقاہ و تربیت گاہ بھی ہے اور بدر و احد کی رزمگاہ بھی۔

غرض یہاں فکر و نظر، عقل و وجدان۔ علم و عمل۔ اخلاق اور روحانیت اور دین و دنیا کا ایسا معتدل و متوازن، خوشگوار اور دل کشا اجتماع نظر آتا ہے جو سیرت نبویؐ ہی کا حصہ ہے۔

مسلمانوں کے نظام علم و عمل میں جب تک ربط و توازن باقی رہا اس وقت تک وہ عروج و ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے۔ اور جب کتاب و سنت کی حیات آفریں تعلیمات سے ان کا رشتہ کمزور ہوگیا تو ان کا زوال و انحطاط بھی شروع ہوگیا

اسباب زوال امت میں سے ایک بڑا سبب دین و دنیا کی تفریق اور ترک دنیا و رہبانیت کے اثرات بھی ہیں جو دنیا بیزار مسیحیت اور ایران و عجم سے ہماری صفوں میں داخل ہوگئی جس کے نتیجے میں وہ اعتدال و توازن ختم ہو گیا جو ایک صالح و صحت مند اور عالمگیر معاشرے کے لئے ضروری ہے۔ اس عدم توازن کے سبب یورپ کی طرح مسلم معاشرے میں بھی ایک طویل عرصے تک دین و حکومت کی علیحدگی سے خطرناک نتائج سامنے آتے رہے اور اس علیحدگی کے سبب دونوں قوتیں کمزور پڑتی گئیں۔ اور ان مثبت و منفی لہروں کی جدائی سے اسلام کی برقی رو اور قوت و حرارت ختم ہوگئی۔ اور امت علماء، مشائخ اور سلاطین کے تین حصوں اور متعدد فرقوں میں بٹ گئی۔

ماضی قریب تک عالم اسلام اور ہندوستانی مسلمانوں کے نظام تعلیم کی وحدانیت و جامعیت کے سبب (جس میں ایک عالمگیر اور ترقی پذیر معاشرے کی جملہ ضروریات کا لحاظ رکھا جاتا تھا) اسلامی مدارس سے ہمہ گیر صلاحیتوں کے افراد تیار ہو کر نکلتے تھے۔ اور ان کی شخصیت پر اسلامی جامعیت و انفرادیت کی چھاپ لگی ہوتی ہے۔ انہی مدرسوں سے علماء ربانی بھی نکلتے تھے اور رعایا پرور عدل گستر حکام و سلاطین بھی۔ صوفیہ باصفا بھی اور مختلف شعبوں کے ماہرین بھی، اہل قلم بھی اور صاحب طبل و علم بھی۔ غرض آدم گری اور مردم سازی کے ان کارخانوں سے ہر شعبہ زندگی کو سنبھالنے والے باصلاحیت افراد معاشرے کو بکثرت فراہم ہوتے تھے۔

مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں غیر مسلموں کو جہاں اپنی تہذیب و تمدن سے متاثر کیا وہیں انہیں اپنے عظیم علمی و ثقافتی کارناموں سے مسحور بھی کر دیا۔ وہ تقریباً ایک ہزار سال تک ایک عالمگیر تحریک کے قائد و علمبردار رہے اور انسانی علوم و فنون کی ہر شاخ میں انہوں نے اپنی عبقریت و ذہانت کے نئے نئے غنچہ و گل کھلائے۔ انہوں نے یونان و ایشیا کے ثقافتی سرمائے کو عربی اور اسلامی زبانوں میں منتقل کیا۔ اور اس پر مفید و گراں قدر اضافوں کے بعد اسے عرب و افریقہ، سسلی اور اسپین کی جامعات کے ذریعہ یورپ تک پہنچا دیا۔

یورپی نشاۃ ثانیہ کی اہم شخصیت راجر بیکن (م ۱۲۹۴ء) جس نے سائنس کو تجربی طریقہ دیا۔ وہ جامعہ قرطبہ کا طالب علم تھا۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی اور روح جہاد و اجتہاد کے فقدان کے سبب ان کے ہاتھوں سے سیاسی قیادت کے ساتھ علمی و ثقافتی امامت و سیاست بھی نکل گئی۔ اور یورپ نے ان علوم کو مادی دنیاوی اور سائنس کو غیر انسانی اور غیر اخلاقی رنگ دے دیا ہے۔ اور مسلمانوں سے حاصل ہوتے علوم و فنون کو خود ان کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ صلیبی جنگوں، ترکوں کی فتوحات، قومی اور مذہبی اختلافات اور اپنے توسیع پسندانہ رجحانات کے سبب مغربی طاقتوں نے مسلمانوں کو سسلی اور اسپین سے بے دخل کرنے کے بعد تقریباً سارے عالم کو اپنے ہمہ گیر استحصال کا نشانہ بنانا

شروع کیا۔ جس کی بدترین مثال ۱۸۵۷ء میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے خلاف ان کا جوش انتقام تھا۔ جس کے سبب برصغیر کے مسلمان ایک طویل عرصہ تک اپنا سیاسی و ثقافتی وجود کھو بیٹھے۔ ان کا دینی و ملی مستقبل خطرے میں پڑ گیا اور ان پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ اس بربریت و بہیمیت کی غم انگیز داستان غالب کے خطوط، شعراء کے شہر آشوب اور پاک و ہند کی تاریخوں میں پڑھی جا سکتی ہیں۔ اس المیے کا سب سے دردناک پہلو یہ تھا کہ فاتح برطانوی حکومت کے جذبہ انتقام کا رخ زیادہ تر مسلمانوں کی طرف تھا۔ اور وہ انہیں مذہب و ثقافت سے الگ کر کے اپنے رنگ میں جذب کر لینا چاہتی تھی اس مقصد کے حصول کے لیے ایک طرف سینکڑوں مدارس بند کئے گئے اور ان کی جگہ مشن اسکول کھولے گئے اور پورے برصغیر میں سرکاری سرپرستی میں جارحانہ طور پہ عیسائیت کی تبلیغ ہونے لگی۔

اس شکست خوردگی کے ماحول میں جب اس ملک میں اسلام اور مسلمان اپنے زوال و انحطاط کے آخری نقطے پہ پہنچ گئے۔ اور دور دور تک ان کا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چند نفوس قدسیہ کو بروقت خبردار کیا اور وہ شاملی کے میدانِ جہاد سے چل کر دیوبند کے میدان جہاد میں آ گئے۔ اور اپنی ایمانی فراست و بصیرت سے "دارالعلوم دیوبند" کی صورت میں ایک ایسے اسلامی مرکز کی تعمیر میں لگ گئے جس کے پروگرام میں اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی بقاء و ترقی کی پوری ضمانت موجود تھی۔

دارالعلوم دیوبند اسلامیت کا ایک ناقابل تسخیر قلعہ، مسلمانوں کا سرچشمہ طاقت اور وہ مرکز توانائی بن کر ابھر رہا تھا۔ اس کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کی تقدیر۔ ان کی نئی شیرازہ بندی اور نشاۃ ثانیہ وابستہ تھی۔ اس کے مخلص بانیوں کے افکار و اعمال، ان کے بلند عزائم اور ہمہ گیر دینی و سیاسی، ثقافتی و معاشرتی مقاصد کو سامنے رکھیں تو یہ تاریخی حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ دیوبند میں قائم ہونے والا یہ مدرسہ عربی دراصل احیاء دین و ملت کی ایک جامع اور ہمہ گیر تحریک تھی جس کا رشتہ حضرت سید احمد شہید و مولانا اسمٰعیل شہید اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحریک سے جا ملتا ہے۔

۱۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م ۱۳۱۷ھ) نے مکہ معظمہ میں قیام دارالعلوم کی خبر مسرت سن کر فرمایا۔
"خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سر بسجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ اے خداوند ہندوستان میں بقائے اسلام اور تحفظ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر۔ یہ مدرسہ انہی کی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔"

۲۔ خود حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۹۷ھ) نے اصول ہشت گانہ کے ساتھ یہ تاکید بھی کی کہ۔
" اس دارالعلوم کا تعلق عام مسلمانوں سے زائد سے زائد ہو تاکہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کرے جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے پر معین ہو۔"

۳۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۹ھ) دارالعلوم کے جامع اور ہمہ گیر

نصب العین کے بارے میں فرماتے ہیں :-

"حضرت الاستاذ (حضرت نانوتوی) نے اس مدرسہ کو درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کے لئے قائم کیا تھا ؛ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے جہاد کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر مسلمانوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔"

۴۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مرحوم فرماتے ہیں :-

"وقت کے یہ اولیاء اللہ ایک جگہ جمع ہوتے اور اس بارے میں اپنی اپنی قلبی واردات کا تذکرہ کیا۔ جو اس پر مجتمع تھیں کہ اس وقت بقائے دین کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ دینی تعلیم کے ذریعے مسلمانانِ ہند کی حفاظت کی جائے اور تعلیم و تربیت کے ذریعے سے ان کے دل و دماغ کی تعمیر کر کے ان کی بقا کا سامان کیا جائے۔ جس میں علوم نبوت پڑھے جائے جائیں اور ان ہی کے مطابق مسلمانوں کی دینی، معاشرتی اور تمدنی زندگی اسلامی ڈھانچوں میں ڈھالی جائے جس سے ایک طرف تو مسلمانوں کی داخلی اور دوسری طرف خارجی مدافعت۔ نیز مسلمانوں میں صحیح اسلامی تعلیمات بھی پھیلیں اور ایماندارانہ سیاسی شعور بھی بیدار ہو۔"

جہاں تک مسلمانوں کے علوم دینیہ اور علوم اسلامیہ عصریہ کے جامع وحدانی نظام تعلیم کا سوال ہے وہ اب ان کے لئے ایک چیلنج بن گیا ہے۔

دینی و دنیوی نظام تعلیم کی علیحدگی سے سارا عالم اسلام علماء اور تعلیم یافتہ طبقوں کے درمیان بٹ گیا ہے اور قدیم و جدید مشرقیت و مغربیت کی کشمکش نے مسلمانوں کو بری طرح متاثر کیا۔ اور ان کے سیاسی و ثقافتی زوال و انحطاط کی راہ ہموار کی۔ انہیں بڑی طاقتوں کا دست نگر بنایا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی نشاۃ ثانیہ اور جامع انقلاب کے لئے دشواریاں پیدا کر دی ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مسلم ماہرین تعلیم اور مفکرین اسلامی نظام تعلیم کی وحدت و جامعیت کو بحال کرنے کی طرف فوری توجہ فرمائیں اور ایک خود کفیل اور ہمہ گیر اسلامی نصاب تیار کریں جو طلبہ میں صحیح اسلامی شعور، ذوقِ عمل اور اسلام کو ہر محاذ پر سربلند کرنے کا ناقابلِ تسخیر عزم و جذبہ پیدا کرے۔

دارالعلوم کے قیام تک حضرت نانوتوی کے ذہن میں یہ مسئلہ بہت صاف تھا اور وہ دینی علوم کا علوم جدیدہ سے ربط چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے دارالعلوم کا چھ سالہ مختصر نصاب بنایا تھا اور اس میں فلسفہ کی صرف ایک کتاب رکھی تھی۔ وہ دینیات سے فراغت کے بعد علوم جدیدہ کی تحصیل کے قائل تھے۔ چنانچہ حضرت نانوتوی نے فرمایا تھا۔

"در باب تحصیل یہ طریقہ خاص تجویز کیا گیا اور علومِ جدیدہ کو کیوں شامل نہ کیا گیا؟ منجملہ دیگر اسباب

بڑا سبب اس بات کا تو یہ ہے کہ تربیت عام ہو یا خاص اس پہلو کا لحاظ چاہیے جس طرف سے ان کے کمال میں رخنہ پڑتا ہو سو اہل عقل پر روشن ہے کہ آج کل تعلیم علوم جدیدہ بوجہ کثرت مدارس سرکاری اس ترقی پر ہے کہ علوم قدیمہ کو سلاطین زمانہ سابق میں بھی یہ ترقی ہوئی ہوگی ۔ ہاں علوم نقلیہ کا یہ تنزل ہے کہ ایسا تنزل کبھی کسی کارخانہ میں نہ ہوا ہوگا ۔ ایسے وقت میں رعایا کو مدارس علوم جدیدہ کا بنانا تحصیل حاصل نظر آتا ہے ۔ اور صرف بجانب علوم نقلی اور نیز ان کی طرف جن سے استعداد علوم مروجہ اور استعداد علوم جدیدہ یقیناً حاصل ہوتی ہے، ضروری سمجھا گیا ۔ دوسرے یہ کہ زمانہ واحد میں علوم کثیرہ کی تحصیل سب علوم کے حق میں باعث نقصان استعداد ثابت ہوتی ہے، اس کے (یعنی دارالعلوم سے فراغت کے بعد) طلبائے مدرسہ ہذا مدارس سرکاری میں جا کر علوم جدیدہ کو حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ مؤید ہوگی۔"

****

بقیہ سائنس کا خالق اسلام ۔ از صفحہ ۵۳

سکے ۔ انہوں نے بیک وقت مغرب سے بھی نفرت کی اور مغربی علوم سے بھی ۔ یہی وہ غلطی ہے جس نے دور جدید میں مسلمانوں کو سائنس میں پیچھے کر دیا ۔ مسلم رہنماؤں نے ایک لمحہ کی غلطی کی مگر اس کا نتیجہ مسلم قوم کو صدیوں کی شکل میں بھگتنا پڑا ۔

یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت شعور کی ہوتی ہے ۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ۔ مسلمانوں نے جب صلیبی جنگوں میں مغربی اقوام پر فتح حاصل کی تو وہ فتح کے جوش میں مبتلا ہو گئے ۔ اس جوش نے انہیں سائنس کی تحقیق سے غافل کر دیا اس کے بعد موجودہ زمانہ میں یہی واقعہ ایک اور شکل میں پیش آیا ۔ مسلمان مغربی قوموں کے مقابلہ میں مفتوح ہوئے تو ان کے اندر مغربی اقوام کے خلاف نفرت جاگ اٹھی ۔ وہ نفرت کی نفسیات میں مبتلا ہو کر مغربی سائنس کی طرف سے بے رغبت ہو گئے ۔ مسلمان اپنی بے شعوری کے نتیجہ میں فاتح کی حیثیت سے بھی نقصان میں رہے اور مفتوح کی حیثیت سے بھی ۔

دفاع امام ابوحنیفہؒ

تصنیف ، مولانا عبدالقیوم حقانی

صفحات ۳۰۶ ۔ قیمت مجلد ۵۶/- ، غیر مجلد ۴۵/-

جس میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سیرت و سوانح، علمی و تحقیقی کارنامے، تدوین فقہ، قانونی کونسل کی سرگرمیاں، دلچسپ مناظرے، حجیت اجماع و قیاس پر اعتراضات کے جوابات، دلچسپ واقعات، نظریہ انقلاب و سیاست، فقہ حنفی کی قانونی حیثیت، جامعیت، تقلید و اجتہاد کے علاوہ قدیم و جدید اہم موضوعات پر سیر حاصل تبصرے۔

مؤتمر المصنفین ـــ دارالعلوم حقانیہ ـــ اکوڑہ خٹک ـــ پشاور